ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 05 No. 01. January-March 2026.Page# 3846-3861
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Mabahith fi Ulum al-Quran: A Critical Analysis of Dr. Subhi Salih's

مباحث فی علوم القرآن: صبحی صالح کی علمی کاوشوں کا تجزیہ

Muhammad Hamza Tahir Qureshi
Lecturer Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad
Email: hamzatahirqureshi@gmail.com
Ubaid Ur Rehman
Lecturer Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad
Email: urrehman.007@gmail.com
ORCID:https://orcid.org/0009-0003-1067-1588
Dr. Muhammad Shah Faisal
Assistant professor Department of Islamic Studies, Alhmd Islamic University
Email: shahfaisal957@gmail.com
Muhammad Nadeem
Lecture department of Islamic studies, Alhmd Islamic university, Islamabad
Email: muhammad.nadeem@aiu.edu.pk

Abstract
This article critically examines the major discussions (mabahith) presented by Dr. Subhi Salih in his seminal work Mabahith fi Ulum al-Quran, analyzing his unique scholarly contributions to the field of Quranic sciences. The study explores seven core themes addressed by the author. The first concerns the revelation (nuzul) of the Quran, including debates over the first and last revealed verses, the chronological precedence of revelation on various topics, and the phenomenon of repeated revelation. The second examines the identification of the occasions of revelation (asbab al-nuzul), highlighting how ignorance of these contexts leads to misinterpretation, along with discussions on the sources of asbab al-nuzul, their multiplicity, and their role in determining legal rulings. The third discusses the memorizers and transmitters of the Quran, tracing the chain of transmission from the Companions through the seven renowned Imams of recitation. The fourth addresses the presence of non-Arabic vocabulary in the Quran and reconciles the differing scholarly positions on this matter. The fifth analyzes the concept of Quranic inimitability (i'jaz al-Quran), presenting various scholarly views on the nature and causes of this inimitability. The sixth covers the science of tafsir and ta'wil, their definitions, differences, and the foundational sources of Quranic exegesis. The seventh presents the tabaqat al-mufassirin, tracing the history of Quranic interpretation from the Companions to the Successors. The article further highlights discussions on Makki and Madani surahs, principles of Arabic linguistics relevant to Quranic interpretation, rhetorical devices, and rules of Quranic discourse. By comparing Dr. Subhi Salih's approach with that of other scholars such as al-Suyuti, al-Zarkashi, and al-Qattan, the article demonstrates the distinctive and comprehensive nature of his scholarly contributions to Quranic sciences.

Keywords: *Ulum al-Quran, Subhi Salih, Maba hith fi Ul um al-Quran, Nu zul al-Quran, Asbab al-Nuzul, I'jaz al-Quran, Tafsir, Ta'wil, Tabaqat al-Mufassirin, Makki and Madani Surahs, Quranic*

Inimitability, Occasions of Revelation, Quranic Sciences, Quranic Exegesis, Transmission of Quran, Arabic Rhetoric, Nasikh and Mansukh, Quranic Linguistics, Muhkam and Mutashabih, Classical Islamic Scholarship

علوم القرآن پر دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک بہت ساری کتب تحریر کی گئیں، جن کے مصنفین نے اپنے اپنے دور میں علوم القرآن کے حوالہ سے بہت ساری نئی ابحاث کو اپنی کتب میں داخل کیا۔علوم القرآن کی ان کتب میں دو مناہج ملتے ہیں۔ایک منہج یہ تھا کہ علوم القرآن کی ایک ایک جزو پر علیحدہ علیحدہ کتب تصنیف کی گئیں۔یہ منہج ابتدائی دور میں رائج رہا۔دوسرا منہج یہ تھا کہ علوم القرآن کی تمام اجزاء کو ایک ہی کتاب میں اکٹھا کر دیا گیا۔یہ منہج ابھی تک رائج ہے۔ابتداء میں علماء کرام نے اپنے دور کے مطابق علوم القرآن کی کتب میں اس کی ابحاث پر بحث کی جبکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں نئی ابحاث کا اضافہ کیا جاتا رہا، دور حاضر میں بہت ساری ایسی ابحاث کا بھی اس میں اضافہ کیا گیا جن کا تعلق جدید سائنس سے ہے۔

نزول قرآن: اس بحث کے تحت ڈاکٹر صبحی صالح نے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱)سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت کریمہ۔(۲)مختلف موضوعات پر نزول کی اولیت۔(۳)سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت کریمہ۔

(۱)سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت کریمہ: قرآن کریم کا نزول تدریجاً ہوا ہے ۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا۔اس عرصے میں ضرورت کے مطابق قرآن کریم نازل کر دیا جاتا۔سب سے پہلے قرآن کریم کا کون سا حصہ نازل کیا گیا، اس کے متعلق علماء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر محمد بن علوی مالکی نے اس حوالہ سے چار اقوال ذکر کیے ہیں۔سب سے پہلے مشہور قول ذکر کیا ہے وہ قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی آیات سورت علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔انہوں نے اپنے قول پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے اس روایت کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سب سے پہلے سورت علق کی پہلی پانچ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

دوسرا قول یہ ذکر کیا ہے کہ نزول کے اعتبار سے سب پہلی سورت مدثر ہے۔اس موقف کی تائید میں انہوں نے حضرت سلمہ بن عبد الرحمن کی روایت پیش کی ہے۔

اس کے بعد ان دو اقوال کے درمیان تطبیق بیان فرماتے ہوئے کہا کہ آیات ہونے کے اعتبار سے سورت علق کی ابتدائی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں اور کامل سورت ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلے سورت مدثر نازل ہوئی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سورت فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی اور اس پر ایک مرسل روایت ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ احتمال یہ ہے کہ یہ اقراء کے بعد نازل ہوئی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ نازل ہوئی۔اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل ہوئی ہے لہذا بسم اللہ کی اولیت بالضرورت ہے۔[1]

(۲)مختلف موضوعات پر نزول کی اولیت

قرآن کریم میں صرف ایک موضوع پر بات نہیں کی بلکہ قرآن کریم تمام علوم کی بنیاد اور اصل ہے۔بہت سارے موضوعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں۔ان تمام موضوعات پر ضرورت کے مطابق قرآن کریم کا نزول تدریجاً ہوا۔کس موضوع پر سب سے پہلے کون سی آیت کریمہ نازل ہوئی، اس حوالہ سے ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں:

ا۔مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے ’’اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ‘‘[2] "(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے" نازل ہوئی اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے بقرہ نازل ہوئی اور بعض نے کہا کہ مَدینہ منوَرہ میں سَب سے پہلے سورت مطففین نازل ہوئی۔

۲۔مکہ میں سب سے آخر میں سورۃ مومنون نازل ہوئی اور مدینہ میں سب سے آخر میں سورۃ براءت نازل ہوئی۔

۳۔جہاد کے بارے میں سب سے پہلے ’’اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا‘‘[3] "ان لوگوں کو (اب اپنے دفاع کے لیے جنگ کی) اجازت دے دی گئی ہے جن پر (ناحق) جنگ مسلط کر دی گئی ہے، (اور یہ اجازت) اِس وجہ سے (دی گئی ہے) کہ ان پر ظلم کیا گیا"

۴۔حرمت شراب کے متعلق سب سے پہلے ’’يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ‘‘[4] "آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں" نازل ہوئی۔

۵۔سجدہ والی سورتوں میں سے سب سے پہلی سورت نجم ہے۔

۲۔ کھانوں کے متعلق مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے "قُلْ لَّآ اَجِدُ فِىْ مَآ اُوْحِىَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا"[5] "آپ فرمادیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں حرام نہیں پاتا" نازل ہوئی اور مدینہ منورہ میں "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ"[6] نازل ہوئی۔[7]

۳۔ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت

جس طرح قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت کے نزول میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح سب سے آخری آیت کے نزول میں بھی علماء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے اس حوالہ سے چار اقوال نقل کیے ہیں۔

ا۔ سب سے آخر میں "يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ"[8] "لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے" نازل

۲۔ سب سے آخر میں "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا"[9] "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو" نازل ہوئی۔

۳۔ سب سے آخر میں "وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ"[10] نازل ہوئی۔

۴۔ سب سے آخر میں آیت دین نازل ہوئی۔

آخری تین اقوال کے متعلق ڈاکٹر صبحی صالح کا نظریہ یہ ہے کہ آخری تین آیات قرآن کریم میں اسی ترتیب سے موجود ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ تینوں آیات آخر میں ایک ہی دفعہ نازل ہوئیں۔

اشکال کا ازالہ: بعض اہل علم نے یہ اشکال وارد کیا کہ جن تین آیات کو آخری آیات کہا گیا ان کا تعلق احکام سے ہے۔ جبکہ حجۃ الوداع کے موقع پر دین کی تکمیل کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ"[11] "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت کریمہ سورۃ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر صبحی صالح نے کہا کہ اس آیت کریمہ کی مراد یہ ہے کہ آج کے بعد مشرکین تمہارے ساتھ کعبہ کے طواف میں شریک نہیں ہو سکیں گے اور مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ یہی اکمالِ دین اور اتمام نعمت ہے۔[12]

۴۔ نزول کے اعتبار سے سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر صبحی صالح نے چار اقوال ذکر کر کے ان کا جواب ذکر کیا ہے۔ ذیل میں وہ اقوال ذکر کیے جا رہے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ سورۃ نصر سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"[13] "بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں" سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سورۃ فتح سب آخر میں نازل ہوئی۔ چوتھا قول یہ ہے کہ سورت براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

ڈاکٹر صبحی صالح کے مطابق ان اقوال میں سے کوئی بھی قول نبی اکرم ﷺ سے مرفوعاً مروی نہیں ہے۔ ہر قول کے قائل نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر یہ بات کی کہی ہے۔[14]

نزول قرآن کی بحث میں علامہ جلال الدین[15] سیوطی علیہ الرحمہ نے چند اور ابحاث کا اضافہ کیا ہے۔ جن میں سے ایک بحث یہ ہے کہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کا حکم ان کے نزول سے مؤخر ہے اور کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کا نزول حکم سے مؤخر ہے۔[16] ایک بحث یہ ہے کہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کا نزول سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی پر بھی ہوا اور نبی اکرم ﷺ پر بھی ہوا۔[17] ڈاکٹر مناع القطان[18] نے اس مقام پر دو ایسی چیزوں کا اضافہ کیا ہے جو کسی اور کتاب میں نظر نہیں آئیں۔ ان میں سے پہلی منہج سماعی نقلی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین علیہم الرحمہ کی یاداشت پر اعتماد کیا جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس حوالہ سے کوئی بھی چیز مروی نہیں ہے۔ دوسری چیز منہج قیاسی اجتہادی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکی سورت میں مدنی آیات کی خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت پائی جائے تو اس کو مدنی کہا جائے گا اور کسی مدنی آیت میں مکی سورتوں کی خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت پائی جائے تو اسے مکی کہہ دیتے ہیں۔ یہ قیاسی اجتہاد ہے

۔[19] ڈاکٹر محمود احمد غازی نے نزول قرآن کریم کی بحث کو تاریخ نزول قرآن مجید کے نام سے درج کیا ہے۔ اگرچہ اس پوری بحث میں وہی باتیں ذکر کی ہیں جو عام کتب میں ذکر ہیں۔[20] نزول قرآن کی بحث میں کمی و بیشی کے ساتھ سب نے تقریباً ایک جیسی بحث کی ہے سوائے چند علماء کرام کے کہ انہوں نے اس میں ایک دو ابحاث کا اضافہ کیا ہے۔

اسباب نزول کی پہچان: فہم قرآن کے لیے سبب نزول کی معرفت انتہائی ضروری ہے کیونکہ تفسیر قرآن کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اسباب نزول ہی وہ ذریعہ ہے جس کی معرفت حاصل کر کے تفسیر کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی بہت ساری امثلہ موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آیت کا ظاہر معنی کچھ اور ہوتا ہے جبکہ اس آیت کا مفہوم اور ہوتا ہے جو کہ سبب نزول کی معرفت کے بغیر پہچاننا ممکن ہوتا ہے اسی وجہ سے اہل اصول نے سبب نزول کی معرفت پر کتب تحریر کی ہیں۔ انہی نقوش پر چلتے ہوئے ڈاکٹر محمد صبحی صالح نے مباحث فی علوم القرآن میں اسباب نزول کی معرفت کے حوالہ سے ایک بحث ذکر کی ہے۔

اس بحث میں نزول قرآن کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔(۱) جو ابتداءً نازل ہوئی۔(۲) جو کسی واقعہ یا سوال کے بعد نازل ہوئی۔ اس بحث میں تین امثلہ کے ذریعہ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اگر سبب نزول کا علم نہ ہو تو مطلوبہ آیت کریمہ کا مفہوم سمجھنے میں واضح غلطی ہو جاتی ہے۔ جس کا ثبوت مندرجہ ذیل امثلہ سے ملتا ہے:

۱۔ مروان بن حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا"[21] "آپ ایسے لوگوں کو ہرگز (نجات والا) خیال نہ کریں جو اپنی کارستانیوں پر خوش ہو رہے ہیں اور ناکردہ اعمال پر بھی اپنی تعریف کے خواہش مند ہیں۔" کے بارے کہا کرتا تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جگہ ہم سارے جہنم میں جائیں گے کیونکہ ہم میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ مروان کا یہ قول آیت کے ظاہر معنی کی طرف نسبت کرتے ہوئے صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ نبی اکرم ﷺ اہل کتاب سے کسی خبر کے بارے میں سوال کرتے تو وہ اس اصل خبر کو چھپا کر اس کی جگہ کوئی اور بات بتا دیتے اور اس پر گمان کرتے کہ ان کی تعریف کی جائے۔

۲۔ حضرت عثمان بن مظعون اور عمرو بن معد یکرب سے حکات کی گئی ہے کہ وہ دونوں اس بات کے قائل تھے کہ شراب مباح ہے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی پیش کرتے تھے کہ "لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا"[22] "ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اس (حرام) میں کوئی گناہ نہیں جو وہ (حکم حرمت اترنے سے پہلے) کھا پی چکے ہیں۔" حالانکہ اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ وہ لوگ جو حرمت شراب سے قبل شہید ہو گئے یا طبعی موت فوت ہو گئے اور اس وقت شراب پیتے تھے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ کیونکہ شراب تو رجس ہے۔ تو ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ حرمت شراب کے نازل ہونے سے قبل جو بھی شراب پی گئی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

۳۔ "فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ"[23] "پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے۔" اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سفر و حضر میں فرض و جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی اور نماز میں استقبال قبلہ شرط نہیں ہے۔ حالانکہ یہ موقف اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ جو آدمی سفر میں نفل پڑھنا چاہے یا تحری کر کے جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھے تو اسکی نماز درست ہو جائے گی۔[24]

تجدید حکم کے لیے سبب کی تاثیر: اس بحث میں ایک مختلف فیہ مسئلہ کے حوالہ سے علماء کرام کے مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ اہل علم کے ایک گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ تجدید حکم کے لیے سبب کی تاثیر ضروری ہے جبکہ دیگر اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ تجدید حکم کے لیے سبب کی تاثیر ضروری نہیں ہے۔ اس کو اس بات سے تعبیر کیا ہے کہ آیت سے عموم لفظ مراد لیا جائے گا یا خصوص سبب مراد لیا جائے گا۔ اس بحث کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد صبحی صالح نے کہا کہ جس آیت کے الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں اس سے مراد عموم لفظ ہو گا اور جس آیت کے الفاظ عموم پر دلالت نہ کرتے ہوں تو اس سے مراد خصوص سبب ہو گا۔ عموم لفظ پر مثال بیان کرتے ہوئے آیت ظہار جو کہ سلمہ بن صخر کے بارے نازل ہوئی، آیت لعان جو کہ ہلال بن امیہ کے متعلق نازل ہوئی اور آیت حد قذف ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی۔ مگر چونکہ ان آیات کے الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں لہذا ان سے عموم لفظ مراد ہو گا۔ خصوص سبب پر مثال دیتے ہوئے درج ذیل قرآنی آیت پیش کی:

"وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى"[25] "اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیزگار شخص کو بچا لیا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے۔"

یہ دونوں آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ان کے الفاظ عموم پر دلالت بھی نہیں کرتے، لہذا ان آیات سے مراد خصوص سبب ہے۔[26]

اسباب نزول کے مصادر: اس بحث میں ڈاکٹر صبحی صالح نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ اسباب نزول کا مصدر اول بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور آخری مصدر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور ایک ضابطہ بیان کیا کہ اسباب نزول کے متعلق صرف ان لوگوں سے روایت لی جائے گی جنہوں نے تنزیل کا مشاہدہ کیا ہو، اسباب پر واقف ہوں اور اس علم کے متعلق بحث کی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسباب نزول کی معرفت کے چار ذرائع ہیں۔(۱) نبی اکرم ﷺ کی صحبت۔(۲) آپ ﷺ کے احوال سے واقفیت۔(۳) آیات کے نزول کی تحقیق۔(۴) خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سبب نزول بننا۔[27]

ہذہ الایة نزلت فی کذا کا مفہوم : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا۔ قرآنی علوم کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہم مرجع ہیں۔ اگر کوئی صحابی کسی آیت کریمہ کے متعلق "ہذہ الایۃ نزلت فی کذا" کہے تو اس سے مراد اس آیت کا حکم ہو گا۔ سبب نزول کو بیان کرنے کے لیے صحابی سبب نزول کی تصریح کرتا ہے۔ اگر صحابی یہ کہے کہ یہ آیت اس سبب کے بارے نازل ہوئی تو اس سے مراد اس آیت کریمہ کا سبب نزول ہو گا۔[28]

ایک آیت کے متعدد اسباب نزول: اکثر طور پر ایک آیت کریمہ کا ایک ہی سبب نزول ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت کریمہ کے متعدد اسباب نزول ہوتے ہیں۔ جیسے ''نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ'' "تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔" کے اسباب نزول دو ہیں۔(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اپنی عورتوں کی دبر کی طرف سے آنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جو اپنی بیوی کی دبر کی طرف سے آئے گا تو اس کی اولاد بھینگی پیدا ہو گی۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

سورۃ الضحیٰ کے سبب نزول کے متعلق دو قول ہیں۔(۱) نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ معمول کے مطابق نہیں تھی، جس وجہ سے آپ ﷺ ایک یا دو راتیں باہر تشریف نہ لائے، ایک عورت نے آکر کہا کہ اے محمد ﷺ ! تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا ہے (نعوذ باللہ) تو اس پر سورت الضحیٰ نازل ہوئی۔(۲) نبی اکرم ﷺ کی چارپائی کے نیچے کتے کا بچہ داخل ہو کر مر گیا، جس وجہ سے چار دن تک وحی کا نزول معطل رہا۔ جب اس کو نکال دیا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سورت الضحیٰ لے کر نازل ہوئے۔[29]

ان امثلہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایک آیت کریمہ کے متعدد اسباب نزول ہو سکتے ہیں۔

مختلف آیات کا ایک ہی سبب نزول: جس طرح ایک آیت کریمہ کی متعدد اسباب نزول ہو سکتے ہیں اسی طرح ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف آیات کا ایک سبب نزول ہو۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ! ہجرت کے باب میں اللہ تعالیٰ سے عورتوں کا ذکر نہیں سنا اس پر ''فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى''[30] "پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی (اور فرمایا:) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت۔" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ مردوں کا تذکرہ ہوتا ہے کہ عورتوں کا کیوں نہیں ہوتا۔ اس پر ''إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ''[31] "بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں" نازل ہوئی۔ ''فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى''[32] "پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی (اور فرمایا:) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت۔".[33]

ان امثلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف آیات کا ایک ہی سبب نزول ہو سکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے پر نزول قرآن: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے ایسی شاندار ہوتی تھی کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا قرآن نازل ہو جاتا تھا، اس باب میں اصل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشہور مناقب میں یہ حدیث مبارک [ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبه] "اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا ہے۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تین مقامات پر اپنے رب کے موافق ہوا ہوں۔(۱) جب میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں تو اس وقت ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى''[34] اور (حکم دیا کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنالو۔" نازل ہوئی۔(۲) جب میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کی عورتوں پر نیک اور فاجر داخل ہوتے ہیں آپ انہیں پردے کا حکم ارشاد فرمائیں تو اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔(۳) نبی اکرم ﷺ کی ازواج نے نان و نفقہ کے متعلق اجتماع کیا تو جو میں نے عرض کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح قرآن کریم میں نازل فرمادیا۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے: ''عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ''[35] "اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ اُن کا رب انہیں تم سے بہتر ازواج بدلہ میں عطا فرمادے۔".[36]

نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رائے میں اتنے مصیب ہو گئے تھے کہ ان کی رائے کے مطابق بہت ساری آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے ایک مستقل رسالہ تحریر کیا جس کا نام "قطف الثمر فی موافقات عمر "رکھا۔

وہ آیات جن کے نزول میں تکرار ہے: متقدمین اور متأخرین علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ قرآن کریم کی کچھ سورتیں اور آیات ایسی ہیں جن کے نزول میں تکرار پایا جاتا ہے۔ علماء کرام نے اس تکرار کی کئی حکمتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً نصیحت، وجود مقتضی اور اظہار فضیلت وغیرہ۔ وہ آیات جن کے نزول میں تکرار پایا جاتا ہے ان میں سے آیت روح، سورت فاتحہ اور سورت اخلاص ہیں۔ بعض علماء کرام نے نزول میں تکرار کا ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے نزول میں تکرار قراءۃ کے حروف میں اختلاف کو بیان کرنے کے لیے ہو۔ مثلاً سورت فاتحہ ایک مرتبہ مالک یوم الدین کے حرف کے ساتھ نازل ہوئی جبکہ دوسری مرتبہ ملک یوم الدین کے حرف کے ساتھ نازل ہوئی۔ [37]اس مقام پر علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے بہت ہی مختصر بحث کی ہے۔ اسباب نزول کی بحث کو انہوں نے ۵ سے ۶ صفحات پر سمیٹ دیا ہے۔ اسباب نزول کی باقی ابحاث تو انہوں نے ذکر کی ہیں لیکن اسباب نزول کا مفہوم انہوں نے ذکر نہیں کیا۔[38]علامہ زرکشی علیہ الرحمہ نے سبب نزول کی بحث کو تھوڑا طول دیا ہے۔ انہوں نے اس بحث کو ۱۰ صفحات پر بیان کیا ہے۔ انہوں نے بھی سبب کا مفہوم ذکر کیے بغیر ہی اس بحث کو شروع کیا ہے۔[39]ڈاکٹر مناع القطان نے اس بحث کو تقریباً ۲۰ صفحات پر بیان کیا ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اسباب نزول کی تعریف کے بغیر ہی اس بحث ذکر کیا ہے اور باقی کتب میں پائی جانے والی ابحاث کے علاوہ کسی نئی بحث کو ذکر نہیں کیا۔[40]

حفاظ قرآن اور راویان قرآن کے بیان میں: جیسے جیسے قرآن کریم نازل ہوتا گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو یاد کرتے گئے۔ قرآن کریم کے نزول کے اختتام کے وقت بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حافظ قرآن بن گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سات کو قراءت میں بہت زیادہ شہرت حاصل تھی۔ ان میں حضرت عثمان، علی، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود، ابو الدرداء اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سارے تابعین علیہم الرحمہ نے تعلیم حاصل کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض حاصل کر کے تابعین علیہم الرحمہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ مدینہ منورہ میں ابن المسیب، عروہ، سالم، عمر بن عبد العزیز، سلیمان بن یسار، عطاء بن یسار، معاذ بن الحارث، عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج، ابن شہاب الزہری، مسلم بن جندب اور زید بن اسلم قیام پذیر ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں عبید بن عمیر، عطاء بن ابی رباح، طاوس، مجاہد، عکرمہ اور ابن ابی ملیکہ رہے۔ کوفہ میں علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، عمرو بن شرحبیل، حارث بن قیس، ربیع بن خثیم، عمرو بن میمون، ابو عبد الرحمن السلمی، زر بن حبیش، عبید بن فضیلہ، سعید بن جبیر، نخعی اور شعبی چلے گئے۔ ابو العالیہ، ابو رجاء، نصر بن عاصم، یحیٰ بن یعمر، حسن، ابن سیرین اور قتادہ بصرہ کی طرف چلے گئے۔ مغیرہ بن ابی شہاد المخزومی اور خلیفہ بن سعد شام میں چلے گئے۔[41]

قراءت کے سات مشہور امام: نافع، ابو عمرو، ابن عامر، عاصم، حمزہ، کسائی، اعمش۔[42] یہ وہ سات مشہور قراء کرام ہیں جن سے ان کے طلباء کرام نے علم حاصل کیا۔ پھر ان کے شاگردوں نے یہ علم آگے پھیلایا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا، آج ان ائمہ کی منسوب قرائتیں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ ان علاقوں میں ان حفاظ اور قاری حضرات نے دروس شروع کر لیے جہاں سے بہت سارے طلباء نے ان سے علم حاصل کیا۔

قرآن کریم میں غیر عربی کلمات کا استعمال: قرآن کریم میں غیر عربی الفاظ کے استعمال کے حوالہ سے علماء کرام کے تین گروہ ہیں کچھ کا موقف یہ ہے کہ قرآن کریم میں سارے الفاظ عربی ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: "قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا"[43]" بزبان عربی" کچھ علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ غیر عربی میں ہے۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ لغت عرب بہت زیادہ وسیع ہے ممکن ہے کہ بڑے بڑے اور اکابر علماء کرام سے کچھ ایسے الفاظ مخفی رہ گئے ہوں، جو غیر عربی ہوں۔ کچھ علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ کچھ الفاظ غیر عربی تھے جب وہ عربیوں کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو عجمی سے عربی کی طرف منتقل کر لیا جس کے بعد بعد وہ عربی ہو گئے۔ اس کے بعد قرآن کریم نازل ہوا۔[44]

تیسرے قول کی وجہ سے پہلے دونوں اقوال میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے کہ جن علماء کرام نے تمام قرآن کو عربی قرار دیا ان کا موقف بھی درست ہو جاتا ہے کہ غیر عربی الفاظ کو بھی عربی بنالیا گیا ہے۔ جن علماء کرام کا موقف تھا کہ غیر عربی الفاظ بھی موجود ہیں ان کا موقف بھی ٹھیک ہے وہ اس لحاظ سے کہ قرآن کریم میں کچھ الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جو دوسری زبانوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

اعجاز قرآن: اعجاز باب افعال کا مصدر ہے۔ اس سے اسم فاعل کا واحد مونث کا صیغہ معجزہ آتا ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق ع۔ج۔ز ہے۔ ثلاثی مجرد سے سمع یسمع کے وزن پر آتا ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے: قادر نہ ہونا، طاقت نہ رکھنا اور عاجز آجانا۔[45] اصطلاح میں معجزہ اس خلاف عادت چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی مثل لانے کی انسان میں طاقت نہ ہو۔[46]معجزہ کی دو اقسام "عقلی و حسی" ہیں۔ بنی اسرائیل کے اکثر معجزات حسی تھے جبکہ امت محمدیہ کے اکثر معجزات عقلی ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کیے گئے، نبی اکرم

ﷺ علیہ السلام کا سب بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو کہ عقلی معجزہ ہے۔ تمام عقلاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم ایسا معجزہ ہے کہ اس کی مثل لانے پر کوئی بھی آدمی قادر نہیں ہے۔[47] کفار کو کئی بار چیلنج کیا گیا مگر وہ قرآن کریم کی ایک آیت بنانے پر بھی قادر نہ ہو سکے۔

قرآن کریم کے اعجاز کے اسباب: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم معجزہ ہے، لیکن اس کے معجزہ کے اسباب کے متعلق علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ ہے کہ فصاحت، عمدہ اسلوب اور تمام عیوب سے پاک ہونا قرآن کریم کے اعجاز کا سبب ہے، امام زملکانی کے نزدیک قرآن کریم کی خاص تالیف وترکیب ہی اس کے اعجاز کا سبب ہے۔ ابن عطیہ کے نزدیک قرآن کریم معانی کی صحت، ترتیب اور مسلسل الفاظ میں فصاحت کی وجہ سے معجزہ ہے۔[48] اس کے علاوہ بھی علماء کرام کے اقوال پائے جاتے ہیں لیکن علامہ محمد بن علوی مالکی نے انہی تین اقوال پر اکتفاء کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس بحث کو ۱۶ صفحات پر بیان کیا ہے۔ اس مقام پر انہوں نے کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس بحث میں انہوں نے قرآن کریم کے علاوہ تورات اور انجیل سمیت باقی سماوی کتب کے معجزہ ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے بھی گفتگو کی ہے۔[49] علامہ زرکشی نے اس بحث کو ۱۸ صفحات پر بیان کیا ہے۔ اس میں انہوں نے اعجاز قرآن کی پہچان، قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی مقدار، اعجاز قرآن کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ قرآن کریم کی آیات اشعار نہیں ہیں اور یہ کتاب اعجاز کی انواع میں سے سب سے اعلیٰ قسم پر مشتمل ہے۔[50] ڈاکٹر مناع القطان نے اس بحث میں اعجاز قرآن کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی عام ابحاث کو ذکر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کے لغوی، علمی اور تشریعی اعجاز پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔[51] اعجاز قرآن کی بحث میں محققین نے جو گفتگو کی ہے وہ تقریباً ایک جیسی ہے لیکن کسی نے اسے طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے جبکہ کسی نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر، تاویل کی معرفت اور ضرورت واہمیت: تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا مادہ اشتقاق ف۔س۔ر ہے۔ فسر واضح کرنا، ظاہر کرنا اور کھولنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں تفسیر سے مراد ایسا علم ہے جس میں بشری طاقت کے لحاظ الفاظ قرآن سے اس طرح بحث کی جائے کہ اللہ تعالی کی مراد واضح ہو جائے۔[52] امام زرکشی کے نزدیک تفسیر سے مراد ایسا علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالی کی اس کتاب کو جانا جاتا ہے جو اس نے اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل فرمائی، اس کے معانی اور احکام کے استخراج کی پہچان ہوتی ہے۔

تاویل بھی باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا مادہ اشتقاق ء۔و۔ل ہے۔ اس کا لغوی معنی رجوع کرنا ہے۔ تاویل کی اصطلاحی تعریف میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ اور دوسرے علماء کے نزدیک تفسیر اور تاویل مترادف ہیں جبکہ امام راغب کے نزدیک دونوں میں فرق ہے۔ وہ کہتے کہ تفسیر تاویل سے عام ہے، تفسیر کا استعمال الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے جبکہ تاویل کا اکثر استعمال معانی اور جملوں میں ہوتا ہے، تاویل کا استعمال اکثر کتب الٰہیہ میں ہوتا ہے جبکہ تفسیر کا استعمال کتب الٰہیہ اور غیر کتب الٰہیہ دونوں میں ہوتا ہے۔ متأخرین کے نزدیک تاویل سے مراد دلیل کے ساتھ کسی لفظ کے راجح معنی کو چھوڑ کر مرجوح معنی لینا ہے۔[53] قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر خشک وتر اور اصغر اکبر کا ذکر موجود ہے لیکن ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اس سے مسائل اخذ کر سکے۔ اس لیے آدمی کو اور بالخصوص اہل عجم کو تفسیر کی زیادہ ضرورت ہے۔ علم لغت، نحو، صرف، بیان، اصول الفقہ، علم القراءات اس کے معاون علوم ہیں اور انسان اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت میں اس کا محتاج ہوتا ہے۔ اس سے اس کی ضرورت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[54]

طبقات المفسرین: نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ ان کے سامنے قرآن کریم کا نزول ہوا تھا، وہ جانتے تھے کہ کس آیت کریمہ کا نزول کس حکم کے متعلق اور کس جگہ ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفسیر میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔ ان میں خلفائے اربعہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ شامل ہیں۔ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ باقی تینوں خلفاء سے بہت کم روایات ملتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم ہر آیت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ یہ کس آدمی کے بارے اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ میرے رب نے مجھے سمجھ رکھنے والا دل اور سوال کرنے والی زبان عطا کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تفسیری روایات منقول ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی تھی: اے اللہ! ان کو دین میں سمجھ عطا فرما اور ان کو تاویل کا علم عطا فرما۔[55] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد دنیا میں سب سے معتبر تابعین علیہم الرحمہ کی ہستیاں ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کو ہی علم کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اہل مکہ سب سے زیادہ تفسیر کا علم رکھتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔ مکہ مکرمہ کے مفسرین کرام میں سے حضرت مجاہد، عطاء بن

ابی رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر اور طاؤس وغیرہ ہیں۔ کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد، مدینہ منورہ میں حضرت زید بن اسلم وغیرہ تفسیر میں ماہر جانے جاتے تھے۔[56]

مکی ومدنی سورتیں: اس بحث میں مکی و مدنی سورتوں کی تعریف میں تین اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئیں اور مدنی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں۔

(۲) مکی سے مراد وہ سورتیں جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اگرچہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں ہوں اور مدنی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہوں۔ لیکن اس صورت میں کچھ ایسی سورتیں ہیں جن کو مکی کہا جاسکتا ہے نہ مدنی۔ یہ وہ سورتیں ہیں جو دوران سفر نازل ہوئیں۔

(۳) مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں اہل مکہ کو خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں اہل مدینہ کو خطاب کیا گیا ہے۔[57]

حضری وسفری سورتیں: حضری سے مراد وہ سورتیں ہیں جو حضر میں نازل ہوئیں اور سفری سے مراد وہ سورتیں ہیں جو سفر میں نازل ہوئیں۔ اس میں لیلی ونہاری، صیفی وشتائی سورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔[58]

متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج کی معرفت: اس بحث میں متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج قراتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ متواتر قراءت سے مراد وہ قراءت ہے جس کو اتنے زیادہ لوگوں نے نقل کیا ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو، تمام درجوں میں نقل کرنے والوں کی تعداد برابر ہو۔ مشہور سے مراد وہ قراءت ہے جس کی سند تو صحیح ہو لیکن وہ حد تواتر تک نہ پہنچی ہو، عربی لہجہ اور عربی رسم الخط کے مطابق ہو اور قراء کے نزدیک مشہور ہو۔ قراءت آحاد سے مراد وہ قراءت ہے جس کی سند تو صحیح ہو لیکن رسم یا عربیہ کے مخالف ہو یا قراء کے نزدیک مشہور نہ ہو۔ شاذ وہ ہے جس کی سند ہی صحیح نہ ہو۔ موضوع وہ قرأت ہے جس کو اپنی طرف سے گھڑا گیا ہو۔[59]

قراءت کی کیفیات: قراءت کی تین کیفیات ہیں۔ (۱) تحقیق (۲) حدر (۳) تدویر اس بحث میں تجوید کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تجوید سے مراد حروف کو ان کا حق عطا کرنا ہے۔ قراء کے نزدیک تجوید قراءت کا زیور ہے۔[60]

تلاوت قرآن کے آداب: جس طرح ہر عبادت کے لیے شرائط، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات ہوتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کے لیے بھی چند آداب ہیں، جن کو مختلف کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد بن علوی مالکی نے بھی تلاوت قرآن کے آداب ذکر کیے ہیں۔ بعض آداب ذکر کر کے انہوں نے اس کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں جبکہ بعض آداب کو بغیر دلائل کے ذکر کیا ہے۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ کر کے تلاوت قرآن مستحب ہونا ذکر تو کیا ہے لیکن اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ قرأت سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت قرار دیا گیا ہے پھر اس پر قرآن کریم سے دلیل بھی دی گئی ہے: "فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"[61] "سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کی وسوسہ اندازیوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔"[62] باقی مستحبات کو بیان کرنے میں بھی یہی طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔

الفاظِ غریبہ کی پہچان: غریب الفاظ سے مراد وہ ہیں جو وضاحت کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کی وضاحت کے لیے لغت کی کتب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سارے ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو وضاحت کے محتاج ہیں۔ قرآن کریم کے ایسے الفاظ کو غرائب القرآن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ علماء کرام نے اس موضوع پر کتب تحریر کی ہیں۔ جیسے امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ کی مفردات القرآن اور امام ابو محمد نیشاپوری کی غرائب القرآن ورغائب الفرقان وغیرہ ہیں۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے غرائب القرآن کے حوالہ ایک فصل قائم کی ہے۔ اس فصل میں غریب الفاظ کے حوالہ سے چند روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے "وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا"[63] " اور اپنے لطف خاص سے (انہیں) دردوگداز۔" کا معنی معلوم کرنے کے لیے پوچھا گیا تو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا تو انہوں نے اس کے متعلق کوئی جواب نہیں دیا۔[64]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین علیہم الرحمہ قرآن کریم کے غریب الفاظ کے معانی کے لیے اشعار سے بھی استدلال کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ اشعار سے مراد دیوان العرب ہے۔ الفاظ کے معانی معلوم کرنے کے لیے اسی دیوان سے ہی مدد حاصل کرتے تھے۔[65] الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عربی ہونے کے باوجود بھی قرآن کریم کے بعض الفاظ کے معانی کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتے تھے، ایسی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی دوسرے سے رہنمائی لے لیتے یا پھر دیوان العرب یعنی اشعار سے اس لفظ کا معنی معلوم کرنے کے لیے رہنمائی لے لیتے تھے۔ تابعین علیہم الرحمہ کا بھی یہی طریقہ رہا۔ تابعین کے دور کے بعد کے ادوار میں غرائب القرآن پر باقاعدہ کتب تحریر کی گئیں۔

ضروری اصول: ضمیر وہ اسم جس کی وضع متکلم، مخاطب یا ایسے غائب کے لیے ہو جس کا حقیقۃً یا حکماً ذکر پہلے ہو چکا ہو۔[66]

ضمیر کی ابتداءً تین اقسام ہیں:(۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور پھر ان میں سے مرفوع اور منصوب کی دو دو اقسام (متصل اور منفصل) جبکہ مجرور کی صرف ایک ہی قسم (متصل) ہے۔ غائب کی ضمیر جب بھی ذکر کی جائے گی اس سے پہلے اس کا مرجع ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا مرجع کبھی تو لفظوں میں حقیقۃً ہوتا ہے، کبھی ضمناً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ہوتا ہے۔[67] اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قواعد ذکر کیے گئے ہیں۔

معرفہ و نکرہ کا بیان: معرفہ سے وہ اسم مراد ہے جو معین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ جبکہ نکرہ سے مراد وہ اسم ہے جس کی وضع معین چیز کے لیے نہ ہو۔ معرفہ کی سات اقسام ہیں جبکہ ان ساتھ کے علاوہ باقی سب نکرہ میں داخل ہیں۔[68] اسم کو نکرہ لانے کے کئی اسباب ہیں مثلاً تعظیم، تکثیر اور تحقیر وغیرہ۔ اسی طرح اسم کو معرفہ لانے کے بھی کئی اسباب ہیں مثلاً ضمیر، علم اور اشارہ وغیرہ کے ساتھ معرفہ لانا۔ ایک اسم کو کلام میں دو مرتبہ ذکر کرنے کی چار حالتوں میں سے کوئی ایک حالت ہو گی:(۱) دونوں معرفہ ذکر کیے جائیں گے (۲) دونوں نکرہ ذکر کیے جائیں گے (۳) پہلا معرفہ اور دوسرا نکرہ ذکر کیا جائے گا (۴) پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ذکر کیا جائے گا۔ پہلی صورت میں دوسرے سے مراد پہلا ہی ہو گا دوسری صورت میں دوسرا پہلے کا غیر ہو گا تیسری صورت میں دوسرے سے مراد پہلا ہی ہو گا جبکہ چوتھی صورت میں اس کو قرائن پر محمول کیا جائے گا۔[69] قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں معرفہ و نکرہ کی بہت ساری امثلہ ذکر کی گئی ہیں۔ جن پر ان تمام قواعد کو پرکھا جا سکتا ہے۔

واحد و جمع کے اصول: واحد سے مراد وہ لفظ ہے جو ایک فرد پر دلالت کرے جبکہ جمع سے مراد وہ لفظ ہے جو دو سے زیادہ افراد پر دلالت کرے۔[70] قرآن کریم میں کئی ایسے الفاظ ہیں جو واحد استعمال ہوئے ہیں۔ واحد الفاظ کی پھر دو اقسام ہیں کچھ تو واحد معنی کے لیے استعمال ہوئے ہیں جبکہ کچھ الفاظ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں مثلاً الارض ایسا لفظ ہے جو واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔[71]

الغرض قرآن کریم میں واحد اور جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ بعض واحد کے صیغے ایسے ہیں جو صرف واحد معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں جبکہ کچھ واحد کے صیغے ایسے ہیں جو واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

سوال و جواب کے متعلق اصول: سوال کے ذریعہ کسی سے کوئی بات پوچھی جاتی ہے جبکہ جواب کے ذریعے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ جواب کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوال کے مطابق ہو۔ قرآن کریم میں بہت سارے مقامات پر سوال و جواب کے اسلوب کو اپنایا گیا ہے۔ بعض مقامات ایسے بھی ہیں کہ ان میں جواب سوال کے مطابق نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جواب کا سوال کے مطابق نہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ سوال اُس طریقے سے نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ سوال اس طریقے سے ہونا چاہیے تھا۔ ایسے طریقے کو اسلوب الحکیم کا نام دیا گیا ہے۔[72] قرآن کریم میں کئی سوال و جواب ایسے بھی ذکر کیے گئے ہیں جو کفار نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھے تھے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے مکالمہ بھی موجود ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے سوال و جواب بھی موجود ہے۔

محکم اور متشابہ: لغوی اعتبار سے محکم مضبوط واضح اور مستحکم کو کہتے ہیں۔[73] اصطلاح میں محکم سے مراد وہ ہے جس میں صرف ایک معنی کا احتمال موجود ہو ایک سے زیادہ معانی کا احتمال موجود نہ ہو۔ متشابہ کا لغوی معنی ہم شکل ہونا، ملتا جلتا ہونا اور مانند ہونا ہے۔[74] اصطلاح میں متشابہ وہ ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ معانی کا احتمال موجود ہو۔[75] محکم اور متشابہ کی اور بھی تعریفات بیان کی گئی ہیں۔ قرآن کریم میں محکم و متشابہ آیات کے حوالہ سے علماء کرام کے تین اقوال ہیں۔(۱) قرآن کریم کی ساری آیات محکم ہیں۔(۲) قرآن کریم کی ساری آیات متشابہ ہیں۔(۳) قرآن کریم کی کچھ آیات محکم جبکہ کچھ متشابہ ہیں۔ متشابہ آیات کی مراد کو جاننا ممکن ہے یا نہیں؟ اس حوالہ سے علماء کرام کے دو اقوال پائے جاتے ہیں۔(۱) متشابہ آیات کی مراد کو پانا ممکن ہے۔(۲) ان کی مراد کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ اور کچھ اور علماء کرام نے پہلے موقف کو اختیار کیا ہے جبکہ اکثر صحابہ، تابعین علیہم الرحمہ اور اہل سنت نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔ امام خطابی کے نزدیک متشابہ کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جب اس کو محکم کی طرف لوٹایا جائے تو اس کا معنی معلوم ہو جائے جبکہ دوسری قسم متشابہ کی وہ ہے جس کی حقیقت تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔[76] آیاتِ متشابہات کی مراد معلوم نہیں ہوتی اور اس طرح کی تمام آیات کریمہ میں غور و خوض کرنے محققین کو منع کر دیا گیا ہے۔ ایک لحاظ سے اس میں محققین کے لیے آزمائش ہے کیونکہ محققین کا کام ہوتا ہے ہر چیز کی تہہ تک پہنچنا اور آیات متشابہات کی تہہ تک پہنچنے سے ان کو منع کر دیا گیا۔

تقدیم و تاخیر: تقدیم و تاخیر کی دو اقسام ہیں۔(۱) جس کا معنی ظاہری اعتبار سے مشکل ہو جب اس کا تقدیم و تاخیر سے ہونا معلوم جائے اور واضح ہو جائے تو اس کو علیحدہ لکھنا بہتر ہے۔(۲) جس کے ظاہری اعتبار سے معنی میں اشکال نہ ہو۔ تقدیم و تاخیر کے اسباب کی دس کے قریب اقسام ہیں۔[77] قرآن کریم میں بہت ساری ایسی آیات کریمہ استعمال کی گئی ہیں جن میں تقدیم و تاخیر ہے۔

خاص و عام: خاص سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو انفرادی طور پر معنی معلوم یا مسمی معلوم کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اس کی تین اقسام ہیں۔ خصوص الفرد۔ خصوص النوع۔ خصوص الجنس۔ کتاب اللہ کے خاص پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ خاص کے مقابلہ میں اگر خبر واحد یا قیاس آ جائے تو خاص میں تغیر و تبدل کیے بغیر تطبیق ممکن ہو تو دونوں پر عمل کریں

ورنہ خبر واحد اور قیاس کو چھوڑ کر خاص پر عمل کریں گے۔ عام سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو افراد کی ایک جماعت کو لفظاً یا معنیً شامل ہو۔ لفظاً کی مثال: مسلمون اور معنیً کی مثال "ما" اور "من" ہے۔[78] قرآن کریم میں ایسے بہت سارے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو عام ہیں۔ عام کی دو اقسام ہیں۔(۱) عام مخصوص منہ البعض (۲) عام غیر مخصوص منہ البعض۔ عام مخصوص منہ البعض سے مراد وہ عام ہے جس سے کچھ افراد کو خاص کر لیا گیا ہے جبکہ عام غیر مخصوص منہ البعض سے مراد وہ عام ہے جس کچھ افرد کو خاص نہ کیا گیا ہو۔[79]

مجمل و مبین: مجمل سے مراد وہ لفظ ہے جس کی اپنے معنی پر دلالت واضح نہ ہو۔ قرآن کریم میں مجمل آیات موجود ہیں یا نہیں؟ داؤد ظاہری کا موقف یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی بھی مجمل لفظ نہیں ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔[80] کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کے مجمل ہونے یا نہ ہونے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

ناسخ و منسوخ: نسخ کا لغوی معنی "زائل کرنا، تبدیل کرنا، پھیر دینا، ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا" آتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے "نسخت الشمس الظل "سورج نے سایہ زائل کر دیا۔" نسخت الکتاب "میں نے کتاب نقل کر لی۔ اصطلاح میں پہلے والے حکم شرعی کو بعد والے حکم شرعی کے ساتھ ختم کر دینا۔[81] یہودیوں کے نزدیک نسخ درست نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک نسخ درست ہے۔ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک قرآن کریم کا نسخ صرف قرآن کریم کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے جبکہ دوسری جماعت کے نزدیک سنت کے ساتھ بھی قرآن کریم کا نسخ کرنا جائز ہے۔ نسخ کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً پیروی سے پہلے ہی حکم منسوخ ہو جائے، قبل از اسلام لوگوں میں مشہور حکم کو منسوخ کر دینا، جو حکم کسی سبب کی وجہ سے نازل ہوا تھا سبب کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس حکم کو منسوخ کر دینا وغیرہ۔ قرآن کریم کی منسوخ ہونے والی آیات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ کے نزدیک ۵۰۰ آیات منسوخ ہیں جبکہ کچھ کے نزدیک ۲۰ آیات منسوخ ہیں۔[82]

وہ امور جن سے اختلاف اور تعارض کا وہم پیدا ہوتا ہے: قرآن کریم اختلاف اور تعارض سے خالی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"[83] "تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیر خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔" لیکن بعض دفعہ ایسی چیزیں سامنے آجاتی ہیں جن کو دیکھ ان لوگوں کو وہم ہو جاتا ہے جو علم میں پختہ نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے وہم کو دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی نے "فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ"[84] "ایک دن میں، جس کا اندازہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار برس کا ہے۔" اور "كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ"[85] "جس کا اندازہ (دنیوی حساب سے) پچاس ہزار برس کا ہے۔" کے بارے پوچھا تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ دو دن ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔ ان کے بارے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔[86]

مطلق اور مقید: مطلق اور مقید اصول فقہ کی خاص اصطلاحات ہیں۔ مطلق سے مراد وہ اسم ہے جس سے بغیر کسی قید کے مسمی مراد لیا جائے خواہ وہ صفت یا اسم جنس۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب مطلق کے اطلاق پر عمل کرنا ممکن ہو تو اس پر خبر واحد اور قیاس کے ذریعے زیادتی کرنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ مقید سے مراد وہ اسم ہے جس سے قید کے ساتھ مسمی مراد لیا جائے خواہ وہ صفت ہو یا اسم جنس۔ مقید کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی لفظ مقید وارد ہو تو اس میں قید کا اعتبار کرنا واجب ہے جب تک کوئی ایسا لفظ نہ آئے جو اس قید کو باطل کرنے کا فائدہ دے۔[87]

قرآن کریم میں مطلق اور مقید دونوں طرح کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان الفاظ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم شرط یا صفت کے ساتھ مقید کر کے بیان کرے اور پھر اسی کا ایک حکم مطلق موجود ہو تو اس میں تدبر کیا جائے گا، اگر مقید حکم کے علاوہ اس کی کوئی اور اصل موجود نہ ہو تو پھر اس کو اس حکم کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے اور اگر اس کی کوئی اصل ہو تو پھر اسے دونوں احکام میں سے کسی ایک کی طرف پھیرنا اس کے دوسرے سے اولی ہونے کے سبب صحیح نہیں۔[88]

منطوق و مفہوم: منطوق و مفہوم دونوں خاص اصطلاحات ہیں۔ منطوق سے مراد وہ معنی ہے جس پر لفظ نطق کے محل میں دلالت کرے۔ اگر وہ ایسے معنی کا فائدہ دے جو غیر کا احتمال نہ رکھے تو وہ کلام نص ہوگی۔ مفہوم سے مراد وہ معنی ہے جس پر لفظ دلالت کرے اور محل نطق میں نہ ہو۔ مفہوم کی دو اقسام "مفہوم موافق اور مفہوم مخالف" ہیں۔ مفہوم موافق سے مراد وہ مفہوم ہے جس کا حکم منطوق کے موافق ہو۔ مفہوم مخالف سے مراد وہ مفہوم ہے جس کا حکم منطوق کے مخالف ہو۔ مفہوم مخالف کی کئی اقسام ہیں جیسے مفہوم صفت، مفہوم شرط، مفہوم غایۃ اور مفہوم حصر وغیرہ۔[89] الغرض منطوق ایسے معنی کو کہتے ہیں جس پر لفظ محلِ نطق میں دلالت کرے اور مفہوم ایسے معنی کو کہتے ہیں جس پر لفظ دلالت تو کرے لیکن وہ محلِ نطق میں نہ ہو۔

قرآن کریم کے مخاطبات کی صورتیں: قرآن کریم میں خطاب کی بہت ساری صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان صورتوں کی تعداد میں محققین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ کے نزدیک خطاب کی صورتوں کی تعداد ۱۵ ہے، کچھ علماء نے تیس سے زائد صورتیں بھی بیان کی ہیں جبکہ کچھ علماء کرام نے قرآن کریم میں خطاب کی تین

صورتیں بیان کی ہیں۔ قرآن کریم میں بیان کردہ خطاب کی چند صورتیں درج ذیل ہیں: خطاب عام اور اس کی مراد بھی عام ہو۔ خطاب خاص اور اس کی مراد بھی خاص ہو۔ خطاب عام جبکہ اس کی مراد خاص ہو۔ خطاب خاص اور اس کی مراد عام ہو۔ جنس کے لیے خطاب ہو۔ نوع کے لیے خطاب ہو۔ معین فرد کے لیے خطاب ہو۔ تعریف کے لیے خطاب ہو۔ کرامت کے لیے خطاب ہو۔ مذمت کے لیے خطاب ہو۔ ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے خطاب ہو۔ جمع کو مفرد لفظ کے ساتھ خطاب ہو۔ مفرد کو جمع کے لفظ کے ساتھ خطاب ہو۔ مفرد کو تثنیہ لفظ کے ساتھ خطاب ہو۔ تثنیہ کو واحد لفظ کے ساتھ خطاب ہو۔[90]

حقیقت اور مجاز: حقیقت و مجاز اصول فقہ کی دو اصطلاحات ہیں۔ حقیقت سے مراد یہ ہے کہ واضع لغت نے جس لفظ کو جس معنیٰ کے لیے وضع کیا تھا وہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہو، اور مجاز سے مراد یہ ہے واضع لغت نے جس لفظ کو جس معنیٰ کے لیے وضع کیا تھا وہ لفظ اس معنیٰ میں استعمال نہ ہو۔[91] ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک حقیقت سے مراد وہ لفظ ہے جو اس معنیٰ پر باقی رہے جس کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر نہ ہو۔ مجاز کے متعلق جمہور علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ محققین کے ایک گروہ کے نزدیک مجاز قرآن کریم میں استعمال نہیں کیا گیا۔ مجاز کی دو اقسام "مجاز فی الترکیب و مجاز فی المفرد" ہیں۔[92]

حصر و اختصاص: حصر سے مراد ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقے سے مختص کرنا ہے۔ یا پھر مذکور کے لیے حکم کا ثبوت اور مذکور کے علاوہ کے لیے حکم کی نفی کو حصر کہا جاتا ہے۔ حصر کی دو اقسام ہیں: موصوف کا صفت پر حصر کرنا اور صفت کا موصوف پر حصر کرنا۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں: حقیقی اور مجازی۔ ایک اور لحاظ سے حصر کی تین اقسام ہیں: قصر افراد، قصر قلب اور تعیین۔ حصر کی بہت سارے طریقے ہیں: نفی و استثناء، لفظ "انما"، معمول کا مقدم ہونا اور ضمیر فصل کا ہونا وغیرہ۔[93]

ایجاز و اطناب: بلاغت کی اقسام میں سے ایجاز و اطناب کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی اہمیت کے پیشِ نظر بعض علماء کرام نے ایجاز و اطناب کو ہی بلاغت کہہ دیا۔ ایجاز کی بہت ساری تعریفات کی گئی ہیں۔ بعض علماء کرام کے نزدیک ایجاز سے مراد یہ ہے کہ معنی مقصودی کو متعارف سے کم الفاظ کے ساتھ ادا کیا جائے۔ بعض کے نزدیک ایجاز سے مراد معنیٰ مرادی ایسے تھوڑے الفاظ کے ساتھ ادا کیا جائے جو فائدہ دینے میں تام ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اطناب سے مراد یہ ہے کہ معنیٰ مقصودی کو مشہور عبارت سے زائد الفاظ کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک اطناب سے مراد معنیٰ مرادی کو ایسے الفاظ سے ادا کیا جائے جو اصل مفہوم سے اضافی ہوں۔ ایجاز کی دو اقسام "ایجاز قصر اور ایجاز حذف" ہیں۔[94]

تشبیہ و استعارہ: بلاغت کی اقسام میں سے سب سے اہم قسم تشبیہ ہے۔ امام مبرد نے کہا: اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر کلام عرب تشبیہ پر مشتمل ہے تو غلط نہ ہو گا۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ کسی معنی میں باہم اکٹھا ہونے پر دلالت کرنا تشبیہ کہلاتا ہے۔ تشبیہ کے ادوات حروف، اسماء اور افعال ہیں۔ استعارہ سے مراد ایسا لفظ ہے جو اس معنی میں مستعمل ہو جو اس کے حقیقی معنی کے مشابہ ہو۔ استعارہ کے تین اسباب ہیں: خفی معنی کو ظاہر کرنا، وہ ظاہر جو جلی نہ ہو اُس کو واضح کرنا اور مبالغہ یا جمع کے حصول کے لیے۔[95]

کنایہ اور تعریض: یہ دونوں اقسام بلاغت اور فصاحت کے طرق میں سے ہیں۔ صریح کم بلیغ ہوتا ہے جبکہ کنایہ زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ کنایہ سے مراد ایسا لفظ ہے جس سے اس لفظ کے معنی کا لازم مراد ہو۔ کنایہ کے چند اسلوب ہیں: قدرت کی عظمت پر تنبیہ کرنا، تصریح کا ان چیزوں میں سے ہونا، جن چیزوں کا ذکر برا سمجھا جاتا ہے، مبالغہ اور بلاغت کا ارادہ کرنا، اختصار کا قصد کرنا وغیرہ۔ تعریض کنایہ کے بہت قریب ہے۔ تعریض و کنایہ میں فرق بہت ہی پیچیدہ ہے۔ تعریض سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ذکر کیا جائے کہ مذکورہ چیز ایسی چیز پر دلالت کرے جس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔[96]

خبر و انشاء: کلام کی دو اقسام ہیں: خبر اور انشاء۔ خبر سے مراد وہ کلام جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے۔ انشاء سے مراد وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا نہ کہا جا سکے۔[97] انشاء کی دس اقسام ہیں جن میں سے استفہام، تمنی، ترجی، قسم، عرض، عقود، نداء، امر اور نہی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[98]

سورتوں کا آغاز: قرآن کریم کی سورتوں کا آغاز دس اقسام میں سے کسی ایک کے ساتھ کیا گیا ہے۔ وہ دس اقسام درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ثناء: ۵ سورتوں کو تحمید، ۲ کو تبارک اور ۷ کو تسبیح سے شروع کیا گیا ہے۔

۲۔ حروف تہجی: ۲۹ سورتوں کو حروف تہجی سے شروع کیا گیا ہے۔

۳۔ نداء: ۱۰ سورتوں کو نداء سے شروع کیا گیا ہے۔ ان دس میں سے الاحزاب، الطلاق، التحریم، المزمل اور المدثر کو نداء رسول اللہ ﷺ سے شروع کیا گیا جبکہ النساء، المائدہ، الحج، الحجرات اور الممتحنہ کو نداء امت سے شروع کیا گیا۔

۴۔ جملہ خبریہ: ۳۰ سورتوں کو جملہ خبریہ سے شروع کیا گیا ہے۔

۵۔ قسم: ۱۵ سورتوں کو قسم سے شروع کیا گیا ہے۔ سورت الصافات میں فرشتوں کی قسم کھائی گئی ہے، سورۃ بروج اور طارق میں افلاک کی قسم کھائی گئی ہے، سورۃ نجم، فجر، شمس، لیل، ضحیٰ اور عصر میں افلاک کے لوازم کی قسم کھائی گئی ہے، سورۃ الذاریات اور المرسلات میں اس ہوا کی قسم کھائی گئی ہے جو عناصر اربعہ میں سے ایک ہے، سورۃ الطور کے

شروع میں اس مٹی کی قسم کھائی گئی ہے جو عناصر اربعہ میں سے ہے، سورۃ التین کے شروع میں نباتات کی قسم کھائی گئی ہے، سورۃ النازعات کے شروع میں حیوان ناطق کی قسم کھائی گئی ہے، سورۃ العادیات کے شروع میں چوپائے کی قسم کھائی گئی ہے۔

۶۔ شرط: سات سورتوں کو شرط سے شروع کیا گیا ہے سورۃ الواقعہ، المنافقون، التکویر، الانفطار، الانشاق، الزلزال اور النصر۔

۷۔ امر: ۶ سورتوں کے شروع میں امر لایا گیا ہے۔

۸۔ استفہام: ۶ سورتوں کے شروع میں حرف استفہام لایا گیا ہے۔

۹۔ دعا: ۳ سورتوں کے شروع میں دعا ہے۔

۱۰۔ تعلیل: ایک سورت کو لام تعلیل سے شروع کیا گیا ہے۔[99]

سورتوں کا اختتام: قرآن مجید کی سورتوں کا اختتام ان کی ابتداء کی طرح ہے۔ سورتوں کے اختتام میں دعا، وصیت، فرائض، حمد، وعظ، وعدو وعید وغیرہ کا ذکر ہے۔[100]

سورتوں اور آیات میں مناسبت: لغوی اعتبار سے ہم شکل اور باہم ایک دوسرے کے قریب ہونے کو مناسبت کہتے ہیں۔ مگر یہاں مناسبت سے مراد ایسا معنی ہے جو آیات اور سورتوں کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے۔ اس رابطہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔[101]

قرآن مجید سے علوم کے استنباط کے متعلق محققین کی خدمات: قرآن کریم تمام علوم کی اصل ہے، اس میں اولین و آخرین کے علوم کو جمع کر دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین علیہم الرحمہ کے بعد علماء کرام نے قرآن کریم کے علوم کو کئی اقسام میں تقسیم کر دیا۔ کچھ محققین نے قرآن کریم کی لغات کو ضبط میں لانے، اس کے الفاظ کو لکھنے، مخارج کی پہچان، حروف و کلمات کی تعداد، آیات و سور کی تعداد، منازل، نصف اور چوتھائی کی پہچان، قرآن کریم کے سجدوں کی تعداد اور دس آیتوں تک اس کی تعلیم دینے کے قواعد کا اہتمام کیا۔ نحویوں نے قرآن کریم پر نحو کے اعتبار سے گفتگو کی، فقہاء کرام نے فقہی آیات کی تفسیر کی، کچھ نے قرآن کریم کے خطابات کے معانی پر بات کی، کچھ نے قرآن مجید سے اصول تعبیر کا استنباط کیا، کچھ نے آیات مواریث پر بات کی وغیرہ۔[102] اس کے علاوہ اور بھی علوم و فنون پر بحث کی گئی ہے۔

امثال القرآن: قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ان امثلہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ وعظ و نصیحت حاصل کریں۔ امثال القرآن کی دو اقسام ہیں: ظاہر اور خفی۔ قرآن کریم میں دونوں طرح کی امثلہ پر گفتگو کی گئی ہے۔[103]

اقسام القرآن: قسم سے مراد ایسا کلام ہے جس کے ذریعے اپنی خبر میں تحقیق پیدا کی جائی یا اپنی خبر میں تاکید لائی جائے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مخلوق کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے تو قرآن کریم میں غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی گئی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ان سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کے ہاں ان کی عظمت تسلیم شدہ تھی اور اس زمانے میں ان چیزوں کی قسمیں اٹھائی جاتی تھیں۔ قرآن کریم چونکہ عربوں کے طرق پر ہی نازل ہوا ہے۔[104]

دلائل القرآن: قرآن کریم میں دلائل و براہین کی تمام اقسام پائی جاتی ہیں۔ یہ دلائل بالکل واضح انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان دلائل کو عرب کے عرف کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔[105]

قرآن کریم میں وارد ہونے والے اسماء، القابات اور کنیات: قرآن کریم میں ۲۵ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء مبارکہ ذکر کیے گئے ہیں۔ ۴ فرشتوں "حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت ہاروت اور حضرت ماروت علیہم السلام" کے اسماء ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نام مبارک موجود ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کے علاوہ کچھ اور متقدمین کے اسماء بھی ذکر کیے گئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) عمران (۲) عزیر علیہ السلام (۳) تبع (۴) یوسف علیہ السلام "ان کا ذکر سورت غافر میں ہے۔" (۵) یعقوب علیہ السلام "ان کا ذکر سورہ مریم کی ابتداء میں ہے۔" (۶) تقی۔

ان کے علاوہ کچھ کفار کے نام بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ کچھ خواتین کے اسما بھی موجود ہیں۔[106]

الغرض قرآن کریم میں اشخاص اور اشیاء وغیرہ کے اسماء، کچھ کے القابات اور کچھ کی کنیات ذکر کی گئی ہیں۔

آیات مبہمات: قرآن کریم میں بہت ساری ایسی آیات موجود ہیں جن کو مبہمات کہا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک آیت کریمہ درج ذیل ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ"[107] "اور (اس کے برعکس) لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی بیچ ڈالتا ہے۔" اس آیت کریمہ سے مراد حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قرآن کریم ابہام کے کئی اسباب ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

ا۔ دوسرے مقام پر اس کی تفصیل موجود ہونے کی وجہ سے اس کی وضاحت نہیں کی جاتی۔

۲۔ شہرت کے سبب متعین ہونے کی وجہ مبہم رکھا جاتا ہے۔
۳۔ عیبوں پر پردہ ڈالنے کے لیے مبہم رکھا جاتا ہے۔
۴۔ کبھی اس لیے کسی چیز کو مبہم رکھا جاتا ہے کہ اس کی تعیین سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔
۵۔ کبھی عموم پر تنبیہ کرنے کے لیے ابہام رکھا جاتا ہے۔
۶۔ وصف کے ساتھ تعظیم بیان کرنے کی وجہ سے ابہام رکھا جاتا ہے۔[108]

تفسیر کے بنیادی ماخذ: تفسیر کے چار بنیادی ماخذ ہیں:

۱۔ فرمان رسول ﷺ : تفسیر کے ماخذ میں سب سے اعلیٰ ماخذ فرمان رسول ﷺ ہے۔ لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ضعیف اور موضوع احادیث سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول: تفسیر کا ایک ماخذ صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کے ذریعے قرآن کریم کی تفسیر کرنا دوسرا ماخذ ہے۔ علما اہل حدیث کے نزدیک صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کے ذریعے تفسیر کرنا حدیث مرفوع کے ذریعے تفسیر کرنے کے برابر ہے۔

۳۔ لغت کے ذریعے تفسیر کرنا: لغت تفسیر کا تیسرا ماخذ ہے۔ محققین کے ایک گروہ کے نزدیک اس کو تیسرا ماخذ شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید لغت عرب میں نازل ہوا ہے۔

۴۔ کلام کے معنٰی اور قوت شرع کے مطابق تفسیر کرنا: یہ قرآن کریم کی تفسیر کا چوتھا ماخذ ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کی دعا نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے کی تھی۔[109]

اس پوری بحث میں مباحث فی علوم القرآن از صبحی صالح کی ان ابحاث کو بیان کیا گیا ہے جو ڈاکٹر صبحی صالح کا خاصہ ہیں۔

حوالہ جات

---

[1] صبحی صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۲۔۱۱

[2] العلق:۱

[3] الحج:۳۹

[4] البقرۃ:۲۱۹

[5] الانعام:۱۴۵

[6] البقرہ:۱۷۳

[7] صبحی صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۳

[8] النساء:۱۷۶

[9] البقرہ:۲۷۸

[10] البقرہ:۲۸۱

[11] المائدہ:۳

[12] صبحی صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۴

[13] التوبہ:۱۲۸

[14] صبحی صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۴

[15] آپ کا پورا نام عبد الرحمن ہے۔ آپ کا لقب جلال الدین ہے۔ آپ کی پیدائش ۸۴۹ھ کو ہوئی جبکہ وفات ۹۱۱ھ کو ہوئی۔ مقدمہ در منثور، ج:۱، ص:۱۵

[16] سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ج:۱، ص:۴۷

[17] سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۵۷

[18] آپ کا پورا نام مناع القطان ہے۔ آپ کی وفات ۱۴۲۰ھ کو ہوئی۔ مقدمہ مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۱

[19] مناع القطان، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، دار الحمد، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۹۷

[20] غازی، محمود احمد، محاضرات قرآنی، فیصل ناشران، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۱۰۴۔۷۵

[21] آل عمران:۱۸۸

[22] المائدہ:۹۳

[23] البقرہ:۱۱۵

[24] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۵۔۱۶

[25] اللیل:۱۷۔۱۸

[26] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۷۔۱۶

[27] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۷

[28] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۷۔۱۸

[29] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۸

[30] آل عمران:۱۹۵

[31] الااحزاب:۳۵

[32] آل عمران:۱۹۵

[33] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۹۔۱۸

[34] البقرۃ:۱۲۵

[35] التحریم:۵

[36] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۹۔۲۰

[37] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۲۰

[38] سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،ج:۱،ص:۶۹۔۶۴

[39] زرکشی،البرہان فی علوم القرآن،مکتبہ نوریہ رضویہ،لاہور،۲۰۱۳،ج:۱،ص:۴۸۔۳۹

[40] مناع القطان،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۵۰۔۱۷

[41] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۲۴۔۲۳

[42] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۲۵

[43] یوسف:۲

[44] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۵۲

[45] لویس معلوف،المنجد،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،۲۰۱۰ء،ص:۴۸۸

[46] لویس معلوف،المنجد،ص:۴۸۸

[47] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۴۰

[48] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی القرآن،ص:۱۴۲

[49] سیوطی،الاتقان فی علوم القرآن،ج:۱،ص:۲۲۴۔۲۲۸

[50] زرکشی،البرہان فی علوم القرآن،ج:۲،ص:۴۳۔۵۵

[51] مناع القطان،مباحث فی علوم القرآن،ص:۳۸۱۔۳۴۲

[52] الذہبی،محمد حسین،التفسیر والمفسرون،مکتبہ وہبیہ،القاہرہ،۲۰۰۰م،ج:۱،ص:۱۵

[53] الذہبی،التفسیر والمفسرون،ج:۱،ص:۱۸

[54] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۷۰

[55] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۷۷

[56] صبحی صالح،ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۷۸

57صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۹

58صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۰

59صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۲۷

60صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۳۳

61النحل:۹۸

62صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۳۸

63المریم:۱۳

64 صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۴۹

65صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۴۹

66جرجانی،میر سید شریف علی،نحو میر،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،۲۰۱۹ء،ص:۱۰

67صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۵۶

68 جرجانی،نحو میر،ص:۱۰

69صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۵۹

70جرجانی،نحو میر،ص:۱۰

71صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۶۴

72صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۶۸

73لویس معلوف،المنجد،ص:۳۷۵

74لویس معلوف،المنجد،ص:۴۵۵

75جصاص،ابو بکر احمد بن علی،الفصول فی الاصول،وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ،کویت،طبع اول،۱۹۸۵ء،ج:۱،ص:۳۷۳

76صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۷۸

77صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۸۳

78الشاشی،نظام الدین،اصول الشاشی،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،۲۰۱۰ء،ص:۶

79صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۸۸

80صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۹۳

81صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۹۳

82صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۹۵

83النساء:۸۲

84المعارج:۴

85المعارج:۴

86صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۰۱

87الشاشی،اصول الشاشی،ص:۷

88صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۰۴

89صبحی صالح،مباحث فی علوم القرآن،ص:۱۰۴

[90]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۰۸
[91]الشاشی، اصول الشاشی، ص:۲۵
[92]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۱۳
[93]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۱۸
[94]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۲۱
[95]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۲۴
[96]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۲۷
[97]جرجانی، نحو میر، ص:۱۰
[98]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۲۹
[99]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۳۵
[100]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۳۷
[101]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۳۹
[102]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۴۶
[103]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۵۳
[104]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۵۸
[105]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۶۰
[106]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۶۳
[107]البقرہ:۲۰۷
[108]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۶۹
[109]صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص:۱۷۳